حضرت مولانا محمد اشرف صاحب صدر شعبۂ عربی
اسلامیہ کالج پشاور

میری

علمی و مطالعاتی زندگی

حدیثِ ناگفتنی

سلسلہ ۱۳

قسط

۴

مولانا تھانویؒ قصد السبیل گو ۶۴ صفحہ کا رسالہ ہے۔ لیکن حکمت اشرفیہ نے سلوک کے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ بہشتی زیور گو عورتوں کے لئے لکھا گیا ہے۔ لیکن حقیقتاً حنفی نکتہ نظر سے مسائل کا ایک قیمتی و محتاط ذخیرہ ہے، جس کا مطالعہ و استفادہ ایک وسطانی عالم کی فقہی معلومات کے لئے بقدر ہے۔ بیان القرآن اور نشر الطیب کے بارے میں فقیر کی معروضات گذر چکی ہیں۔ سلوک میں حضرت کی کتاب التکشف عن مہمات التصوف۔ خصوصاً اس کا پانچواں حصہ خاصہ کی چیز ہے۔ اور فقیر کی ذہنی ساخت میں اس کا عظیم حصہ ہے۔ التشرف احادیث سلوک کا اچھوتا مجموعہ ہے اور مسائل السلوک میں قرآنی نصوص سے فنی اعتبارات و حقائق کو ثابت کیا گیا ہے۔ کلید مثنوی رومی کے حقائق و رموز کی شاہ کلید ہے۔ اور فنی نکتہ نظر سے مثنوی کی اردو میں اشرف الشروح ہے۔ اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی اور بحر العلوم کی غامض شرح بھی اپنے رنگ میں خوب ہیں۔ شیخ اکل حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے سلف صالحین کے طریقے کے مطابق سلوک کو ہر غل و غش سے پاک کر کے کتاب و سنت کی روشنی میں نکھار کر امت کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ آپ کی صوفیانہ تصنیفات انشاء اللہ رہتی دنیا تک امت کے لئے قندیل ہدایت بنی رہیں گی۔ تصوف سلوک کا یہ کارنامہ مجددیت اشرفیہ کے تاج کا تابندہ گوہر ہے ؎

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ مے خانہ

یہ عجالہ اس دور کے اعظم المصنفین کے علوم و کمالات کا متحمل نہیں ہو سکتا ہے۔ اور نہ یہاں استقصاء

مقصود ہے۔ تاہم یہ بات برملا کہی جاسکتی ہے کہ علوم الشرعیہ کا بحر ناپیدا کنار بقدر طلب و ظرف ہر طالب کی پیاس بجھانے کے لئے کافی ہے۔

حضرت سید صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے مکاتبت کا تعلق ۱۹۴۳ء میں قائم ہوا۔ سلوک کی طرف توجہ ہوئی۔ گھر میں مکتوبات امام ربانی (مجدد الف ثانی) کا ترجمہ موجود تھا۔ ابتدا اس سے ہوئی۔ حضرت مجدد کے مکتوبات نے شرعی تصوف شریعت و طریقت کی عینیت دکھائی۔ ذات باری کی تنزیہ۔ وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود اور دیگر مسائل سلوک کی حقیقت واضح فرما دی اور اس راہ میں اپنا مسلک یہ بن گیا۔[1] مارا بانفص کار است نہ با فص، مارا فتوحات مدینہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ است۔

حضرت تھانوی اعلی اللہ مقامہ کی کتابوں حقیقۃ الطریقۃ من السنۃ الانیقۃ (التکشف جلد پنجم) اور مسائل السلوک سے بھی یہ بات دل میں پیوست ہوگئی کہ شریعت میں طریقت ہے اور طریقت میں شریعت۔ دیگر ہیچ اس کے سوا جس نے کچھ کہا وہ یا شریعت کو نہیں جانتا یا طریقت سے ناواقف ہے۔

کتب تصوف | سلوک کی کتابوں میں سراج طوسی کی کتاب اللمع محاسبی کے رسائل خصوصاً رسالۃ المسترشدین عبد اللہ انصاری ہروی کی منازل السائرین ابو طالب مکی کی قوت القلوب امام قشیری کا رسالۃ القشیریۃ علی ہجویری کی کشف المحجوب، امام غزالی کی احیاء العلوم (مع تخریج عراقی) و کیمیائے سعادت شیخ سہروردی کی عوارف المعارف، حضرت شیخ جیلانی کی غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب، یحییٰ منیری کے مکتوبات سہ صدی نظام الدین اولیاء کے فوائد الفواد۔ ابن عربی کی فصوص الحکم و فتوحات مکیہ۔ مولوی رومی کی مثنوی معنوی، ابن قیم کی مدارج السالکین الوابل الصیب وغیرہ۔ امام شعرانی کی کتابیں مجدد سرہندی کے مکتوبات۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی کتابیں خصوصاً قول الجمیل۔ تفہیمات الٰہیہ کے بعض مقالات۔ حجۃ اللہ البالغۃ مباحث احسان وغیرہ شاہ اسمٰعیل شہید کی صراط مستقیم و عبقات۔ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی جملہ تصنیفات اور ان کے سلسلہ الذہب سے منسلک مشاہیر اکابر متقدمین و متاخرین کی صوفیانہ کتابیں اور دیگر ائمہ سلوک کی اہم کتب و اسفار اسلامی سلوک کا بیش بہا سرمایا ہے۔

گو سلوک سراپا عمل ہے۔ تاہم علمی اعتبار سے ان اساطین صوفیہ کی کتابیں اسلامی سلوک کی حقیقت اور عہد بعہد کی فکری تاریخ سے ایک گونہ آگاہ کر سکتی ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ تصوف کے بارے میں علمی معلومات کا انبار کفایت نہیں کرتا بلکہ کسی شیخ کامل کی تربیت اور عملی محنت و کوشش منزل تک پہنچاتی ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے ؎

صد کتاب و صد ورق را در نار کن　　قلب خود را جانب دلدار کن

---

[1] مکتوب صد

حضرۃ الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہ کی برکات کا اثر ہے۔ کہ ان کے انتساب کی وجہ سے یہ "بدنام کنندہ نکو نامے چند" بر کو چک کی بعض عظیم دینی و علمی شخصیتوں کی نظر کرم الطاف و توجہات کے قابل ٹھہرا۔ (والحمد للہ علی ذالک)

مولانا عبدالباری ندوی ان میں پہلے بزرگ حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کے رفیق قدیم حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے خلیفہ و مجاز بیعت قدیم و جدید فلسفہ کے ماہر ہمارے مخدوم و محترم حضرت مولانا عبدالباری ندوی مدظلہ ہیں، جن کی کتابوں کا تجدیدی سلسلہ — تجدید تصوف و سلوک، تجدید دین کامل، تجدید تعلیم و تبلیغ، تجدید معاشیات —— علوم اشرفیہ کی ترجمانی و وضاحت میں اور اپنی افادیت میں بے مثل ہے اور جدید طبقہ کے لئے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے علوم کی کلید ہے۔ حضرت موصوف کی ان چاروں کتابوں سے بندہ فیضیاب ہوا۔

"سورہ والعصر کی تفسیر" اپنے رنگ میں لاجواب ہے۔ فریضہ تبلیغ و دعوت پر خاصہ کی چیز اور ہر مسلمان کے پڑھنے کے قابل ہے۔

"مذہب و سائنس" تو مولانا کا شاہکار ان کی قدیم و جدید علوم سے واقفیت کی شاہد اور سائنسی علوم سے مرعوب اشخاص کے لئے نادر تحفہ ہے۔

عبدالماجد دریابادی دوسری شخصیت حضرت سیدی قدس سرہٗ کے صدیق حمیم اردو کے صاحب طرز منفرد ادیب، صدق کے مدیر شہیر مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادی مدظلہ کی ہے۔ مذاہب عالم اور عصری علوم پر ان کی نگاہ بہت گہری و ہمہ گیر ہے۔ مشرقی و مغربی علوم سے یکساں بہرہ ور ہیں جس پر ان کی تفسیر (انگریزی[1]) اور اردو اور صدق کی نگارشات شاہد ہیں۔

یوں تو صدق اور صاحب صدق کی تحریریں[2] مدتوں سے قلب و نظر کی بالیدگی اور ادبی ذوق کی پاکیزگی کا سبب بنتی رہی۔ اور ان کی اکثر دینی و ادبی کتابوں سے استفادہ کیا۔ لیکن مولانا کی جس تصنیف نے ابتدا

---

[1] تفسیر ماجدی (انگریزی) دینی لٹریچر کا ایک گرانمایہ سرمایہ۔ قابل قدر علمی کوشش۔ قرآن کے "مہیمن" "مصدقاً لما معھم" ہونے پر دلیل ناطق اور برہان قاطع ہے۔ تفسیر میں دیگر ادیان کے صحف و کتب سے قرآنی آیات کے شواہد اور ہم معنی آیتیں اس قدر کثرت سے نقل کردی گئی ہیں۔ کہ استقصاء پر حیرت ہوتی ہے۔ تقابل ادیان اور اہل کتاب کے صحف سے موازنہ اور ان کی شہادتوں سے قرآن کی سچائی کا ثبوت خاصہ کی چیز ہے۔ غالباً تفسیری ادب اس قسم کی نظیر سے خالی ہے۔

[2] سوائے ان کے ایک معلوم تفرد کے۔

میں متاثر کیا وہ سفرنامہ حجاز ہے۔ جو والہانہ عقیدت و محبت، قلبی واردات، عالمانہ حزم و احتیاط، دینی حقائق، فقہی مسائل، صوفیانہ نکات، سفری معلومات، قیمتی مشوروں، سنجیدہ و دردمندانہ تبصروں کا عجیب و حسین امتزاج ہے۔ طرزِ بیان دلکش و رواں۔ انشائیہ ماجدی کا اعلیٰ نمونہ۔ ہر ذوق کے قاری کے لئے وافر مواد مہیا ہے۔ شروع کیجئے تو ختم کئے بغیر چھوڑنے کو جی نہ چاہے۔ مولانا کی باقیاتِ صالحات میں یہ سفرنامہ ان شاء اللہ اونچا مقام پائے گا۔ کتاب کا مقدمہ حضرت الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہٗ کا لکھا ہوا اور سلیمانی جامعیت و ادبیت کا مرقع۔

دوسری کتاب "حکیم الامت" ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کئی سوانح عمریاں لکھی گئیں۔ لیکن قلمِ ماجدی نے حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی زندگی کے جو حکیمانہ نقوش، والہانہ خاکہ برجستہ سراپا کھینچا ہے۔ اسلوبِ بیان طرز اور پیشکش میں اچھوتا مقام رکھتا ہے۔ حضرت قدس سرہٗ کی دلبرانہ زندگی، قلندرانہ ادائیں، علمی ذوق، ادبی مذاق، تربیتی دقیقہ رسی، پاسداریٔ حقوق، رعایتِ جلیس، نرمی و محبت، ضبطِ اوقات و نظمِ معمولات ---- "بسیار شیوہ ہاست بتان را کہ نام نیست" کی جو تصویر "حکیم الامت" میں دکھائی دیتی ہے دلکشی و زیبائی کی بہترین تمثال ہے۔

تیسری کتاب "محمد علی کی ذاتی ڈائری کے چند اوراق" ہے۔ زندگی میں جن چند کتابوں نے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ یہ کتاب ان میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔ کلکِ ماجدی کو محمد علی کا نام ہی گویا وجد میں لے آتا ہے۔ مولانا کا شدتِ تاثر ہر لفظ سے جھلکتا ہے۔ کاغذ پر الفاظ کی بجائے دردِ دل اور خونِ جگر عجب بے تابانہ انداز میں بکھرا دکھائی دیتا ہے۔ شاید کوئی منظوم مرثیہ اتنا دردناک اور کرب انگیز ہو۔ جتنے محمد علی (جوہر) کی زندگی کے یہ سادہ و منثور واقعات۔ محمد علی کا حرف حرف اور نقطہ نقطہ دل میں اتر جانے والی نصیحت۔ درسِ بصیرت اور مرقعِ عبرت ہیں۔ مولانا محمد علی مرحوم کو زندگی میں جن محرومیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس کی کامیاب موت کے بعد سیرتِ جوہر کی یہ معجز نما نقاب کشائی اس کی مابعد الموت کامرانیوں کا ایک حصہ ہے۔ اور شاید اس کے شعر

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر
مر کے جوہر آپ کے جوہر کھلے

کی جیتی جاگتی تعبیر ہے۔

صاحبِ صدق کے یہ جواہر پارے جوہر کے حق میں "لسانِ صدق فی الآخرین"

لہ ابیب ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۵ اعداد اس کے مشتبہ تو قیاست ہیں۔

وجعلها كلمة باقية في عقبه لعلهم يرجعون کے مصداق ہوں گے۔

ناسپاسی ہوگی اگر مولانا دریابادی کے مرتب کردہ مکتوبات[1] سلیمانی کا یہاں تذکرہ نہ کیا جائے۔ محشی مکتوبات کے اس مجموعہ میں برصغیر کے مسلمانوں کی چالیس سالہ علمی و ادبی دینی و سیاسی تاریخ کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ مولانا کی یہ علمی و ادبی خدمت وابستگان دامن سلیمانی پر ایک عظیم احسان ہے۔

ابوالحسن علی ندوی | اس سلسلہ میں تیسری شخصیت مخدوم و محترم حضرت مولانا ابوالحسن علی الندوی کی ہے۔ جو اپنی جلالت شان علمی و نظری خدمات دینی اور دعوتی سرگرمیوں کی بنا پر عرب و عجم میں یکساں مقبول اور عالمگیر شہرت کے مالک ہیں۔ ان کی کتابیں متعدد مشرقی و مغربی زبانوں میں ترجمہ ہوکر دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل چکی ہیں۔ اردو عربی دونوں زبانوں پر یکساں مہارت و عبور[2] ہے ــــ عربی میں ایک

---

[1] فقیر کا دونوں جلدوں پر تبصرہ صدق جدید لکھنؤ کے شماروں میں شائع ہو چکا ہے۔ حضرت الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی کے مولانا دریابادی کے نام مکتوبات کا یہ مجموعہ مولانا موصوف نے فقیر اور دیگر دوستوں کے اصرار پر اپنے مفصل حواشی کے ساتھ مرتب فرمایا۔ ادبی تاریخ میں دو نادرۂ روزگار ادیبوں اور فاضلوں کو باہمی مکاتبت کا اتنا طویل زمانہ شاید ہی ملا ہو۔ مکتوبات کا یہ مرقع دو عظیم و شریف دوستوں کی چالیس سالہ رفاقت و مودت کی حسین روداد ہے جو بیش بہا علمی، ادبی، تاریخی فوائد پر مشتمل ہے۔

[2] علی الطنطاوی نے خوب کہا ہے:

ولقد كنت اعجب حين اقرأ لابي الحسن فأجد لرجل من الهند هذا الاسلوب البليغ وهذه الاصالة وهذا الطبع ثم زال العجب لما ظهر السبب وعلمت ان ابا الحسن عربي صريح صحيح النسب كالاصبهاني مؤلف الاغاني والابيوردي الشاعر وهما قرشيان امويان، والفيروزآبادي صاحب القاموس وان خبر عربيته متواترة مستفيضة في الهند ممن هنا جاء هذا البيان الذي قل نظيره في هذه الايام۔

وقل ليشتغل غير العربي بعلوم العربية حتى يكون اماماً فيها في اللغة والنحو والصرف والاشتقاق وفي سعة الرواية بل ان اكثر علماء العربية كانوا في الواقع من غير العرب ولكن من النادرات يكون فيهم من له مثل هذا (الذوق الادبي) الذي نعرفه لابي الحسن فلولا ثبتت عربيته بصحة النسب ثبتت باصالة الادب ـ (المسلمون في الهند ص۲)

خاص و منفرد اسلوب نگارش کے موجد ہیں۔ یہ طرز تحریر عربی ادب عالیہ کی ایسی صنف ہے جس میں دینی علوم کمال فصاحت و بلاغت و عمدہ نباوہ میں جدید و قدیم طبقہ کے سامنے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ علی میاں کی زبان میں عذوبت و حلاوت۔ درد و سوز، بلندی فکر، داعیانہ ولولہ، عاشقانہ جذب۔ مورخانہ تحقیق، عالمانہ احتیاط حکیمانہ دانش، ادیبانہ رعنائی، ساحرانہ تاثیر پائی جاتی ہے۔ وہ خود سراپا سوز و درد ہیں۔ ان کا خمیر محبت و نرمی طبیعت سے عبارت ہے۔ علم و تقویٰ نے ان سے فروغ پایا ہے اور جامعیت علوم کی مسند ان سے مزین ہے۔ مشرق و مغرب کے دینی و عصری تقاضوں اور جدید طبقے کے نبض آشنا ہیں۔ ان کی تحریر دلوں کے اندر اتر جاتی ہے۔ اور بیک وقت دل و دماغ دونوں کی تسلی کا سامان مہیا کر دیتی ہے۔

مولانا موصوف کی جس کتاب نے سب سے پہلے گھائل کیا۔ وہ سوانح مولانا الیاس ہے۔ جو بار بار پڑھی اور ہر مرتبہ قلب و روح نے لطف تازہ پایا۔ ایک عمر حق آگاہ جس کی زندگی ؎

مسلمانی غم دل در خریدن | چو سیماب از تپ یاران تپیدن
حضور ملت از خود در گذشتن | بگر بانگ انا الملت کشیدن

کا مثلی نمونہ تھی۔ اس کا سراپا و سوانح ایک داغنگار قلم نے آب دیدہ و خون جگر سے لکھا ہے۔ کمال یہ ہے کہ جذبات کا تلاطم اور جوش محبت کتاب کی سنجیدگی ثقاہت و ہوش پر غالب نہیں آیا۔ سچ ہے ؎

درکفِ جامِ شریعت درکفے سندانِ عشق

ہر ہوسناکے نداند جام سنداں باختن

دوسری کتاب تاریخ دعوت و عزیمت ہے جو امت مسلمہ کے لافانی کمالات، جاودانی اثرات، دائمی ثمرات بارآور مزاج، ثمر فطرت اور زرخیزی زمین کا بیّن ثبوت ہے ؎

جہاں میں اہل ایمان صورت خورشید جیتے ہیں

ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

حضرت علی میاں مدظلہ نے یہ کتاب لکھ کر وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کر دیا ہے[۲]۔ اسلامی

---

[۱] کتاب کا مقدمہ سیدی الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ کے ایجاز رقم کا اعجاز ہے۔

[۲] اسلامی دینی علمی و معاشرتی تاریخ سے ناواقف (شاہی خانوادوں کی تاریخ کی سرسری شدبد رکھنے والے) اپنی بے بصری سے "عصر سعادت" کے بعد اسلام کے زوال کا ایسا نقشہ کھینچتے ہیں۔

دعوت و عزیمت کے اعاظم الرجال اپنے ماحول میں جن فتن و آزمائشوں سے دوچار ہوتے اور انہوں نے اپنی خداداد بصیرت و ذہانت علم و معرفت للہیت و تقویٰ، جیداری و عزم، قربانی و فتوۃ سے تاریخ کے مختلف ادوار میں امت کی شکستہ صفوں کو ثبات بخشا۔ ان کی رہنمائی کی اور اسے ساحلِ مراد تک پہنچایا۔ وہ امت مرحومہ پر اللہ تعالیٰ کا فضل خاص، امت کی فضیلت اور حضرۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل معجزہ ہے۔ اس اعجاز و کمال کا ایک زندہ و پرشور، جاندار و پرسوز محرک عمل و مفید علم مرقع و مجموعہ ایک سید و سعید قلم کے ہاتھوں مرتب ہوگیا ہے جس کے مطالعہ سے امت کی بقا و ترقی کے بارے میں یاس و قنوطیت کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ اور مستقبل میں بھی رحمتِ الٰہیہ سے ایسے نفوس قدسیہ کے پیدا ہونے کی امید پیدا ہوجاتی ہے کہ یہ امت لافانی، یہ دین ابدی ہے۔ یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواههم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکٰفرون۔

تیسری کتاب سوانح مولانا عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کی ہر سطر کسی سوختہ سامان دل و قلب اور سینۂ بریاں کی پکار ہے۔ علی میاں نے اپنے شیخ کو محض ذاکر شاغل بزرگ اور زاہد مرتاض کی حیثیت سے پیش نہیں کیا۔ نہ ہی ان کی کرامات حسی کا تذکرہ کیا۔ بلکہ اپنے شیخ عالی مقام کی بصیرت فن، اعتدال مسلک، وسعت قلب و جامعیت، حقائق بینی و مہارت سلوک اور تربیت کے غوامض و دقیقہ رسی کا بیان اس انداز سے فرمایا ہے۔ کہ دل و دماغ، نفس و روح، سیراب و شاداب ہوجاتے ہیں۔ ان کی زندگی کے واقعات بتاتے ہیں کہ ہمارے بوریا نشین گلیم فقر میں کس طرح مختلف طبقات کے دلوں پر شاہی کرتے تھے اور معاشرہ پر اثر انداز ہوتے تھے۔ سچ ہے ؎

نہیں فقر و سلطنت میں کچھ امتیاز ایسا
وہ سپہ کی تیغ بازی یہ نگاہ کی تیغ بازی

گویا (خاکم بدہن) اسلام کے ان نادان دوستوں کے نزدیک خلافت راشدہ کے بعد اسلام کا اپنا پیام و نظام عمل و دعوت ختم ہی ہوکر رہ گئی۔ حالانکہ خلافت راشدہ کا خاتمہ اسلام کے معیاری اور نمونہ کے دور کا اختتام تھا۔ ملوکیت سے اسلام نہیں مٹا۔ صرف اسلامی آئین کی ایک دفعہ اپنی جگہ سے ہٹی، جسے مسلمانوں نے آسانی سے برداشت نہیں کیا۔ واقعہ کربلا واقعہ حرہ، نفس زکیہ کا خروج وغیرہ اس احتجاج کا رنگین ثبوت ہیں۔ امت کا عمومی دینی مزاج باقی رہا اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ رواں دواں رہے گا۔

ؔ اس کتاب کے تین حصے شائع ہوچکے ہیں۔ کاش چوتھا حصہ جو مجدد سرہندی اور ہندوستان کے متاخرین ارباب دعوت عزیمت پر مشتمل ہوتا شائع ہوجاتا۔

چوتھی کتاب سیرت سید احمد شہید ہے۔ امیر المومنین فی الہند مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہید (رائے بریلوی) ہماری بزم دوشین کے گوہر شب چراغ قافلہ سپین کے سالار جہاد و حریت کے علم بردار ناموس شریعت کے پاسبان تھے۔ امیر شہید اور امام شہید (سید اسمٰعیل شہید) کے کارناموں میں صحابہ کی جیداری و فدائیت، اخلاص و تقوٰی اور اتباع شریعت کی جھلک پائی جاتی تھی۔ آہ!

درمیان کارزار کفر و دین　　ترکش ما را خدنگ آخرین

انگریز نے اپنے استعماری مفادات کے پیش نظر ان کی مخالفت کا ایسا صور پھونکا کہ ہماشما بیگانے و یگانے اس کی آواز میں گم ہو گئے۔ اور مظلوم امیر شہید کو (سوائے ایک مخصوص حلقے کے) غیر تو کیا اپنوں نے بھی ہدف ملامت بنایا۔ خدا کا شکر ہے کہ انہیں کے خاندان کے ایک فرد فرید کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی۔ اور انہوں نے امیر شہید اور ان کے رفقاء پر سے گرد و غبار کے توبر تو پردوں کو ہٹایا۔ اور ان کی عظمت جس کے سامنے بالاکوٹ کی بلندیاں پست ہیں دنیا کے سامنے ظاہر ہو گئی۔ فقیر کے علم میں سید احمد شہید پر حضرت علی میاں اور مولانا غلام رسول مہر کی کتابوں سے بہتر کتابیں نہیں لکھی گئیں۔[1]

یوں تو مولانا موصوف کی ہر کتاب قابل قدر، مفید اور وقتی تقاضوں کے مطابق ہے۔ سب کتابوں پر گفتگو اس مختصر مقالے میں نہیں ہو سکتی۔ تاہم اسلامی ممالک میں اسلام و مغربیت کی کشمکش کی احادیث کا تذکرہ کئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ موجودہ دور میں فتنۂ افرنگ نے اپنی ہوش ربائی، کر و کبد — ظاہری چمک دمک۔ مادی ترقیات سے جس طرح اسلامی ممالک کو مسحور کیا ہے اور انہیں اپنی راہ پر لگا دیا ہے مسلمانوں کی تاریخ کا سب سے عظیم المیہ ہے۔ اس کتاب میں مختلف رخوں سے اس کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ کتاب قابل دید و لائق داد ہے۔ اس طرح ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین کا اردو ترجمہ "مسلمانوں کے عروج و زوال کا دنیا پر اثر" اپنی نوع کی منفرد کتاب اور مصنف کی دیدہ وری تاریخ دانی بصیرت اور فکر دینی کا ثبوت اور ان کی زندگی کا روشن کارنامہ ہے۔[2]

ردۃ ولا ابابکر لہا۔ کا ترجمہ "موجودہ طوفان اور اس کا مقابلہ" ایک نہایت اہم وقیع اور پراثر

---

[1] ہر کوچک ہند و پاک کے ضمن میں حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی مساعی کا تذکرہ کا فقدان طبیعت پر گراں ہے جس کا تذکرہ فقیر نے مصنف علام سے کر دیا ہے۔

[2] کتاب کا انگریزی ترجمہ ISLAM AND THE WORLD بھی فقیر کی نظر سے گزرا ہے۔ خوب ہے اور ہر جدید تعلیم یافتہ کے پڑھنے کے لائق۔

مقالہ ہے جس کا پڑھنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے[۱] اقبالؒ نے اپنی غزل کے بارے میں کہا ہے ؎

ہیں کہ میری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگذشت کھوئے ہوؤں کی جستجو!
خون دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش
ہے رگ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو

یہی بات علی میاں کی نثر پر صادق آتی ہے۔ کہ ان کی تحریر میں ان کے دردمند دل کے ٹکڑے اور سوختہ جگر کا لہو شامل ہوتا ہے۔ ان کی ہر کتاب علم و ادب کا قیمتی سرمایہ ہے۔ دین و دانش کا خزینہ۔ عشق و عقل کا آمیزہ اور قدیم و جدید کا سنگم ہوتی ہے۔ ان کی تحریر کے یہ جوہر سب سے زیادہ ان کی بجا طور قابل فخر بلکہ شاہکار کتاب الارکان الاربعہ میں چمکے کھلے اور نکھرے ہیں۔ یہ کتاب ادب[۲] و انشاء کا بہترین نمونہ۔ حرف و معنی کا اعجاز، واردات قلبی اور دلائل عقلی کا حسین امتزاج اور بیک وقت دل و دماغ کی طمانیت و تسلی کا سامان ہے۔ دیگر مذاہب سے عبادات اسلامی کا موازنہ اور اسلامی عبادات کی خوبی و فوقیت پر استدلال ۔۔۔۔ جدید و قدیم دونوں طبقات کے لئے برہان ساطع و دلیل قاطع امید ہے کہ علی میاں مدظلہ کی یہ کاوش احیاء العلوم الدین (غزالی) اور حجۃ اللہ البالغہ (شاہ ولی اللہ) کے پہلو بہ پہلو حیات جاوید پائے گی۔ اور حقانیت دینی کا روشن مینار بنی رہے گی۔

ابوالحسن علی الندوی مدظلہ کی عربی کتابوں میں الارکان الاربعہ اور "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" کے علاوہ الطریق الی المدینۃ، ربانیۃ لا رہبانیۃ، روائع اقبال، حدیث مع الغرب، الصراع بین الایمان والمادیۃ مذکرات سائح فی الشرق العربی، المسلمون فی الہند، نزہۃ الخواطر (ہشتم) وغیرہ اور دیگر کئی چھوٹے کتابچے نظر سے گذرے۔ ہر کتاب ان کی تحریر کے خصوصی امتیازات کی حامل ان کی بے چین روح اور پرسوز دل کی پکار ہے۔ جس کا بنیادی مقصد احیاء دینی اور ملت کی

۱۔ اس مقالہ پر فقیر کے "تاثرات" صدق جدید لکھنؤ میں پانچ قسطوں میں شائع ہوئے تھے۔

۲۔ تاریخ ادب کا یہ المیہ ہے کہ بہت سے عظیم ادیب جن کے ادبی شاہپارے زبان و ادب کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ "بزم ادب" اور "ادیبوں کی محفل" میں اس لئے جگہ نہ پا سکے کہ وہ علم دنقولی کی مجالس کے بھی رکن رکین تھے۔ اور "روایتی ادیبوں" کا جامہ پہن کر نہیں آئے تھے۔

۳۔ فقیر: ۱۳۶۶ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے حج کی سعادت نصیب فرمائی۔ اس سفر میں بحمد اللہ

نشاۃ ثانیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت دے اور امت کو ان سے استفادہ کی توفیق بخشے۔

بندہ شملہ میں والد مرحوم کے ساتھ مقیم تھا۔ جون ۱۹۴۱ء کی کوئی تاریخ تھی۔ کہ میرے بڑے بھائی محمد اکرم صاحب اپنے دفتر کی لائبریری سے رسالہ معارف اعظم گڑھ لے کر آئے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اردو کے سب سے وقیع رسالہ پر نگاہ پڑی کاغذ و طباعت کی نفاست سے نگاہوں نے لذت پائی۔ رسالہ پڑھا۔ بار بار پڑھا۔ اتنا متاثر ہوا کہ تقریباً پورا رسالہ بیاض میں نقل کر لیا۔ رسالہ معارف پر تو بعد میں گفتگو ہو گی۔ یہاں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس رسالہ میں پہلی مرتبہ متکلم وقت مناظر اسلام حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مضمون "تدوین حدیث" کی ایک قسط نظر سے گذری۔ مولانا کی ہر بات دل میں گھر کرتی چلی گئی۔ جو مصنف کے اخلاص و صداقت کی دلیل تھی۔

ادھر کہتا گیا وہ ادھر آتا گیا دل میں
اثر یہ ہو نہیں سکتا کبھی دعوئ باطل میں

وہ پہلا دن تھا کہ مولانا گیلانی کی تحریر کا اشتیاق پیدا ہوا۔ پھر ان کی ہر تحریر جہاں بھی میسر آئی شوق و ذوق سے پڑھتا رہا۔ مولانا کا سیلان علم و ذوق افادہ اپنی تحریر میں رسمی حدود و قیود تصنیف کا پابند نہ تھا۔ کہ بقول اقبال کے ہے

جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات   گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا

حج سے قبل مدینہ طیبہ میں تقریباً ڈیڑھ ماہ قیام رہا۔ دیگر بزرگوں کے علاوہ حضرت علی میاں کی صحبتوں سے بھی استفادہ کا موقع ملا۔ ان دنوں وہ اپنی کتاب الطریق الی المدینہ مرتب فرما رہے تھے۔ حج کے بعد جب جدہ پہنچا تو دل نے کہا ـــــ لیوپولڈ اسد نے الطریق الی مکہ (ROAD TO MECCA) لکھی۔ علی میاں نے الطریق الی المدینہ مرتب فرمائی۔ تم الطریق الی الجہنم یعنی الطریق الی الغرب لکھ ڈالو کہ حقیقتاً "تہذیب مغرب" الطریق الی الجہنم ہے۔ کہ اس کی بناء نشوونما "شہوات" پر کلیۃً مبنی ہے اور حدیث پاک میں وارد ہے۔ حفت النار بالشہوات۔ (جہنم شہوات سے ڈھکی ہوئی ہے۔ یعنی جہنم میں دخول شہوات کی بناء پر ہے) اس خیال کا آنا تھا کہ مغربی تہذیب و تمدن اپنے تمام بے خدا و بے حیا مناظر کے ساتھ نگاہوں میں آگیا۔

بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات

ان کی افتادِ طبع قاری کے سامنے بیک وقت مختلف النوع علوم و مسائل، رموز و دقائق، نکات و حقائق کو پیش کرتی چلی جاتی ہے گویا ایک مخلص و شفیق معلم کی طرح اپنے علم کے بحرِ زخار سے قاری کی تشنگی کو ایک ہی بار بجھا دینا چاہتے ہیں۔ اور اسے وہ سب کچھ دکھا دینا چاہتے ہیں جو ان کی بصیرت نگاہ کے سامنے ہے۔ اور اسے ہر وہ بات بتا دینا چاہتے ہیں جسے وہ جانتے ہیں۔ اس بارے میں ان کے ہاں صبر و امساک و بخل تاخیر و مہلت بھی گناہ معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے انکی تحریر کی سطروں میں بھی ایسے علمی نکات مل جاتے ہیں جن تک عام رسائی مشکل ہے۔ ان کی ہر بات ان کی وسعتِ مطالعہ، عمقِ علم، دقیقہ رسی حقائق بینی، بصیرت دینی، ژرف نگاہی پر دلالت کرتی ہے۔ اسلوب بیان میں اطناب کے بادشاہ ہیں۔ افادہ کا دریا ہر وقت متلاطم رہتا ہے اور سیلِ معانی اپنی روانی میں موتی بکھیرتا جاتا ہے۔ بقول اقبالؒ ــــ

تھا ضبط بہت مشکل اس سیلِ معانی کا

کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر

مولانا گیلانی کی کتابوں میں النبی الخاتم، تدوین حدیث، اسلامی معاشیات، مقالاتِ احسانی، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی، سوانح قاسمی خاصہ کی کتابیں ہیں۔ مولانا گیلانی کے جو مقالات مختلف رسائل میں چھپتے رہے اگر وہ یکجا مرتب ہو جاتے تو ایک مفید علمی خدمت ہوتی۔ مولانا گیلانی طرزِ قدیم کے پروردہ اور جدید تقاضوں سے آشنا تھے۔ اس لئے ان کی تحریر قدیم و جدید دونوں طبقات کے لئے مفید ہے۔ بہرحال مولانا گیلانی نے جو ورثہ تصانیف چھوڑا ہے وہ ملت کا قیمتی سرمایہ ہے جس سے کوئی شخص مستغنی نہیں رہ سکتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب | حجۃ اللہ فی الارض افضل المحققین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی کتابوں میں حجۃ اللہ البالغۃ، البدور البازغۃ، ازالۃ الخفاء، تفہیمات الٰہیہ، الفوز الکبیر، الخیر الکثیر، فیوض الحرمین، القول الجمیل وغیرہ ذہن و قلب کی بالیدگی کا سبب بنتی رہی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے قرآن و حدیث، فقہ و کلام، تصوف و فلسفہ کے آمیزہ سے اپنی منفرد راہ نکالی ہے جس میں یہ سب علوم باہم رچے بسے ہیں۔ شاہ صاحب کے علوم سراپا موہبت و عطا و القاء ہیں جن میں کسب کا دخل کم اور واردات الہیہ اور توفیق ربانی کی رہنمائی زیادہ ہے۔ ملاءِ اعلیٰ کا فیضان ان کی ہر تحریر سے امنڈتا دکھائی دیتا ہے۔ شاہ صاحب علوم ظاہریہ و باطنیہ دونوں کے شناور اور امام ہیں۔ ان سے آپ نے علوم نبویہ کی توفیق ربانی سے جو تشریح فرمائی ہے۔ اور جن رموز و حقائق کو کھولا

اور جن اسرار و حقائق کو فاش فرمایا ہے وہ بیک وقت دل و دماغ عقل و روح کو مطمئن کر دیتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کی کتابیں "جلوتیان مدرسہ" اور "خلوتیان میکدہ" دونوں کے لئے مفید اور سامان تسلی ہیں اور اقبال کے اس شعر کی مصداق ہیں ؎

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو! عشق حضور و اضطراب

علم اسرار دین ایک غامض اور ادق فن ہے جو "دانش برہانی" سے زیادہ حکمت ایمانی اور "نور عرفانی" کا محتاج ہے۔ امت میں اس فن کے ماہرین کی جو گنی چنی محدود ہستیاں گذری ہیں ان کے ائمہ میں حضرت شاہ صاحب کا نام بے تکلف لیا جا سکتا ہے۔ حکمت ولی اللہی نے شریعت کے جن غوامض کو کھولا ہے اور جیسی تشریح فرمائی ہے۔ اس کی مثال نایاب نہیں تو کمیاب و شاذ ضرور ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ ولی اللہی حکمت و عرفان کا شاہکار۔ ان کی مجددیت کا امتیاز۔ اور اسلام کے عظیم کتب خانہ کا کوہ نور ہے۔ اپنی طرز کی پہلی اور آخری کتاب ہے۔ شریعت کے اصول و فروع کے اسرار و حقیقت پر ایسی جامع حکیمانہ اور پر مغز کتاب کی نظیر شاید ہی مل سکے۔

ازالۃ الخفاء کا موضوع گو خلفائے ثلاثہ کی حمایت ہے۔ لیکن حقیقتاً خلافت اسلامیہ اور اسلامی سیاست و طرز حکومت کی حقیقت اور اس کے رموز و دقائق پر اس سے گہری کتاب فقیر کے محدود علم میں نہیں۔ کتاب میں بے شمار علمی حقائق و نکات ضمناً آ گئے ہیں۔

الفوز الکبیر اصول تفسیر پر ولی اللہی ذوق و بصیرت کا عمدہ نمونہ ہے۔ خیال ہے کہ شاہ صاحب نے اس کتاب میں الاتقان (سیوطی) اور برہان (الزرکشی) سے بھی استفادہ فرمایا ہے۔

القول الجمیل تفہیمات الٰہیہ۔ فیوض الحرمین اور دیگر کتابوں میں بھی حکمت ولی اللہی کے جواہر بکھرے پڑے ہیں۔ حضرت کی تصوف پر کتابیں ہمعات سطعات وغیرہ عام اذہان کی سطح سے بلند ہیں۔ حضرت شاہ صاحب اصلاً ایک عظیم محدث قرآن کے مترجم اور صوفی ہیں۔ اس لئے اپنی کتابوں میں انہوں نے جن خاص اصطلاحات کو استعمال کیا ہے وہ سب کتاب و سنت سے مستنبط ہیں۔ شاہ صاحب کی خدمت حدیث کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ اجمالاً کہا جا سکتا ہے کہ تحریری خدمات حدیث کے علاوہ اس شجر طوبیٰ کا سایہ درساً اور سنداً عالم پر محیط ہے۔

ڈاکٹر اقبال: سن شعور کی ابتدا تھی۔ فضا حکیم شاعر ڈاکٹر اقبال کے نغموں سے پر شور تھی۔ مسلمانان ہند ان کی شعلہ نوائیوں سے نئی زندگی پا رہے تھے۔ اور اسلامیان برکر چک کے در ماندہ

قافلہ کے لئے ان کا پر درد کلام بانگ درا اور ان کی ہر صدا آواز رحیل تھی۔ بچہ بچہ کی زبان پر ان کے اشعار رواں تھے، طبیعت نے اثر لیا۔ بانگ درا کی متعدد نظمیں حافظہ میں مرتسم ہو گئیں۔ اور اقبال شعر و سخن کی عبقری شخصیت اور اسلامی اقدار کے داعی کی حیثیت سے دل و دماغ پر چھا گیا۔ جب ہوش و آگہی نے پر و بال نکالے تو بال جبریل اپنی پسندیدہ کتاب تھی۔ متعدد بار پڑھی۔ ہر بار دل و دماغ نے اثر لیا۔ متعدد غزلیں، ساقی نامہ، مسجد قرطبہ، طارق کی دعا، ذوق و شوق وغیرہ از بر ہو گئیں۔ اسی زمانہ میں ضرب کلیم پڑھی۔ سن کی پختگی نے اقبال کے فارسی کلام کی طرف متوجہ کیا۔ اسرار و رموز، زبور عجم، جاوید نامہ، پیام مشرق، ارمغان حجاز، مسافر، اور پس چہ باید کرد۔ متواتر نظر سے گذرتی رہیں۔ آج بھی اقبال اپنی تازگی اور اثر انگیزی میں جوان اور دل و دماغ کی تسکین کا سامان ہے۔

اقبالؒ اول و آخر اسلامی شاعر ہے۔ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا شیدائی دین حق کا داعی اسلام کی عظمت رفتہ کا متلاشی ہے۔ اس کا قلب مضطر، اس کی فکر بلند، اس کی آرزوئیں اور تمنائیں، اس کی خلوت و انجمن کا گداز اور اس کے دیدۂ تر کی بے خوابیاں دنیا میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور قرون اولی کے نقشہ کو دیکھنا چاہتی ہیں۔

اقبالؒ کا کلام اسلام کی محبت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق امت کے درد و فکر، مسلمانوں کی عظمت رفتہ کے احساس اور تجدید ملت کے جذبہ کے آمیزہ سے تیار ہوا ہے۔ جسے انکی مشرقی و مغربی علوم پر دسترس، حکمت ایمانی، دانش برہانی اور جذب و شوق کی فراوانی نے جلا بخشی ہے۔ فقیر کے نزدیک اقبال کا شاعرانہ محاسن اسلام کے بارے میں آتنا احساس اور جذباتی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ہر چھوٹی بڑی چیز دکھ سکھ ان کا "شاعرانہ تجربہ و کیفیت" ([illegible]) بن کر ان کی زبان کو گوہر بار کر دیتی ہے۔

اقبال مشرق و مغرب کے علوم سے بہرہ مند ہوئے۔ حکمت مغرب کے وہ آشنا اور ماہر نقاد ہیں ؎

فریب دانش حاضر سے باخبر ہوں میں   کہ اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثل خلیل

۱؎ تقسیم ہند سے پیشتر مسلمانوں کے تشخص اور ملی ذہن کی ساخت میں اقبالؒ کا بڑا حصہ ہے۔
۲؎ مکتوبات اقبال "اقبال نامہ" بھی اسی وقت نظر سے گزرا جو اقبال کے سمجھنے کے لئے مد ثابت ہوا۔

ان کی زندگی کا کارنامہ مسلمانوں اور خصوصاً نژاد نو کو تہذیبِ حاضر کے مضر اثرات سے آگاہ اور اس کا تریاق اسلام میں بتانا ہے۔ انہوں نے مغرب کو ایک بصیر نگاہ سے جانچا اور پرکھا اور پھر پکار اٹھے ؎

مے از میخانۂ مغرب چشیدم   بجانِ من کہ دردِ سر خریدم
نشستم با نکویانِ فرنگی   ازاں بے سود تر روزے ندیدم

اقبال دانشِ مغرب کے محرم ہیں لیکن اس سے مسحور و متاثر نہیں ؎

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

ان کا پیام اسلام کی دعوت اور پاکانِ امت کے افکار کا چربہ ہے ؎

شنیدم آنچہ از پاکان امت   ترا با شوخیٔ رندانہ گفتم

اقبال کے خیالات کی وسعت و گہرائی اسلام کے "بے حدود و بے ثغور" عالمگیر وہمہ گیر ادبی سرمایہ کا فیض ہے۔ جسے اقبال کی بلند و عمیق نگاہ نے عصرِ حاضر کے لئے اپنے رنگ میں پیش کر دیا ہے۔ یوں تو اقبال کے ماخذ بے شمار ہیں۔ لیکن رومی کا اثر اور چھاپ ان کے کلام پر بہت نمایاں ہے۔ جس کا اظہار وہ بار بار کرتے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

چو رومی در حرم دادم اذان من   ازو آموختم اسرار جان من
بہ دور فتنۂ عصر کہن او   بہ دور فتنۂ عصر رواں من

اقبالؒ کے سمجھنے کے لئے اسلام اور مسلمانوں کے دینی و ادبی سرمایہ کی معتد بہ واقفیت ضروری ہے۔ ان کی اپنی اصطلاحات ہیں جو اکثر اسلامی ادبی و دینی پس منظر رکھتی ہیں۔ جدید تعلیم جو ملی اور دینی تقاضوں کے پورا کرنے سے قطعاً قاصر ہے۔ اقبال سے استفادہ کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔ آج اقبال اپنے ملک میں نا آشنا ہے۔ کہ "یارانِ محرم" سے محروم ہے۔ بلکہ یہ بات برملا کہی جا سکتی

۱؎ طلسمِ علمِ حاضر را شکستم   ربودم دانہ و دامش گسستم
خدا داند کہ مانند براہیم   بہ نار او چہ بے پروا نشستم

۲؎ من اندر مشرق و مغرب غریبم   کہ از یاران محرم بے نصیبم
غم خود را بگویم با دل خویش   چہ معصومانہ غربت را فریبم
چہ پرسی از مقامات نوایم   ندیمان کم شناسد از کجایم
کشادم رخت خود اندر دل دشت   کہ اندر خلوتش تنہا سرایم

ہے کہ آج اقبال مظلوم و غریب ہے کہ ہر بر خود غلط ملحدانہ نظریہ کا حامل اپنی دون فطرتی اور کم نگہی اور دین باختی کو اقبال سے منسوب کر رہا ہے۔ خصوصاً سوشلزم کے نام نہاد دعویدار اسے اپنی صفوں میں شمار کروانے کی سعی نامسعود میں مشغول ہیں۔ کاش پاکستان میں اقبال کے پیام کی صحیح ترجمانی و اشاعت ہو جاتی ——

اقبالیات پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں اقبال کامل (مولانا عبدالسلام ندوی) روائع اقبال[1] (ابو الحسن علی الندوی)، فیضان اقبال (شورش کاشمیری) خوب ہیں۔ اس مختصر سرگذشت میں اقبالؒ پر پوری گفتگو ممکن نہیں۔ چند باتیں زبان پر آگئیں جو عرض کر دیں۔

کتب فارسی | بندہ کی فارسی ابجد خوانی کی ابتدا والد مرحوم نے "کریما" سے کروائی۔ پھر بوستان و گلستان کی بو و باس مشام روح کی عطر بیزی کا سبب بنی —— کریما گلستان بوستان تو ہمارے قدیم (واہ مرحوم) دبستان اخلاق کی بہار تھی۔ فارسی سنہ ۵۳ کے گھرانوں سے کیا اٹھی۔ ہماری قدیم قدروں اور روایات کا خاتمہ ہو گیا۔ فارسی عربی کے بعد ہمارے قدیم ثقافتی ورثہ کی امین تھی۔ تصوف میں فارسی شاعری کی نظیر نہیں تھی۔ حضرت ابوسعید ابوالخیر سے لے کر خاتم الشعرا جامی تک فارسی اشعار میں جو کچھ کہا گیا ہے دیگر زبانوں میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ملتا۔ ہمارے اپنے اقبال سے استفادہ بغیر فارسی کے ناممکن ہے۔

جدید بے مقصد تعلیم میں عربی و فارسی کے غیاب کے بعد کاش! ہم نجی طور پر اپنے اس ملی سرمایہ سے مستفید ہونے کی کوشش کرتے۔

فارسی نظم میں مرشد رومی کی مثنوی معنوی دل و دماغ پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوئی ؎

مرشد رومی حکیم پاک زاد ‏ ‏ ‏ سرِ مرگ و زندگی بر ما کشاد

مثنوی کے ضخیم دفاتر صدیوں سے معارف و حقائق کے امین ہیں۔ رومی نے اپنی پرسوز نے سے "حکمت ایمانیاں" کا جو صور پھونکا ہے۔ وہ رہتی دنیا تک قلب و روح کو حیات نو بخشتا رہے گا۔ مثنوی دبستان تصوف کا نرا صحیفہ نہیں بلکہ حقائق دینی، حکمت و فرزانگی، رموز زندگی کی نقاب کشا کتاب ہے۔ رومی و مثنوی پر فارسی و ...... اردو میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ بحر العلوم کی دقیق و بسیط اور مفید شرح سے لے کر "الہام منظوم"[2] تک روحانیات پر اچھا خاصہ کام ہو چکا ہے۔ تاہم عصر حاضر کو رومی سے روشناس کرانے کی ضرورت ہے۔

۱ے اس کا ترجمہ "نقوش اقبال" کے نام سے اردو میں بھی شائع ہو گیا ہے۔

۲ے فقیر کی ایک تقریر "رومی کا پیام عصر حاضر کے نام" سے شائع ہو چکی ہے۔

عصر حاضر کے سب سے بڑے حکیم شاعر اقبالؒ نے خوب کہا ہے ؎

پیر رومی را رفیق راہ ساز — تا خدا بخشد ترا سوز و گداز

زانکہ رومی مغز را داند ز پوست — پائے او محکم فتد در کوئے دوست

رومیات پر مثنوی معنوی کا وہ ایڈیشن جسے اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہٗ نے بڑے اہتمام سے شائع کروایا تھا۔ خاصہ کی چیز ہے۔ جس میں طباعت کے ساتھ حواشی کی معنویت دلربائی "بقامت کہتر بقیمت بہتر" کی مصداق ہے۔ شیخ الکل حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی کلید مثنوی فن کے لحاظ سے اردو میں شاہکار ہے۔ مفتاح العلوم بھی خوب ہے۔ تلمذ حسین کی مرآۃ المثنوی مضامین مثنوی کا لاجواب آئینہ اور مصنف کی کاوش کا کامیاب نشان ہے۔ تلمذ حسین صاحب کی کتاب "صاحب المثنوی" "رومیات" بھی اچھا اضافہ اور محققانہ کتاب ہے۔ شبلی کی سوانح مولانا روم کی افادیت مسلمہ ہے۔ رومی کے علاوہ حافظ و سعدی، خسرو و عراقی وغیرہ کی غزلیات۔ سنائی و عطار کا کلام حسن دہلوی و جامی وغیرہ کی نعتیں۔ ابو سعید ابو الخیر و خیام کی رباعیات اس کور ذوق کی تشنگی شوق کو مہمیز کرتی رہیں۔ شاہنامہ فردوسی۔ سکندر نامہ نظامی۔ گلشن راز شبستری۔ قصائد خاقانی و قاآنی۔ غرض قند پارسی کام و دہن کی تری کا سامان رہی ؎

گہے شعر عراقی را بخوانم — گہے جامی زند آتش بجانم

آج نیا زمانہ ہے، نئے افکار ہیں۔ نئی اقدار ہیں۔ ہماری محفل دوشیں کے چراغوں کے پروانے آج کہاں میسر آسکتے ہیں۔ نہ وہ دل رہے نہ وہ دماغ نہ وہ طبیعتیں رہیں نہ وہ مزاج۔ آج کسے کہا جائے کہ دل کی بہار قلب کا سوز و گداز انہیں کی نواؤں سے تھا۔ نژاد نو کو کون بتائے کہ عربی و فارسی کو کھو کر اور مغرب کو اپنا کر ہم نے کیا پایا اور کیا کھویا ؎

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا — کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اس ژولیدہ بیان کی پیرانہ سرائی بہت طویل ہوگئی۔ بہت کچھ کہا اور بہت کچھ کہنے سے رہ گیا "ناگفتنی" گفتنی بن کر بھی ناگفتنی رہی۔ تاہم اختتام سے پیشتر شیخین ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہما اللہ تعالیٰ اور ابن جوزی کی کتابوں سے استفادہ کا تذکرہ نہ کرنا ناسپاسی ہوگی۔ اپنی بے حاصل زندگی میں جو کچھ پڑھا لکھا یا سنا اس کا استقصاء مقصود نہیں۔ مدعا یہ تھا کہ شاید یہ تحریر کسی خوش بخت کے لئے مفید علم و محرک عمل بن جائے اور فقیر کے لئے دلالت علی الخیر کی بشارت نجات کا سبب بن سکے۔ ورنہ یہ تباہ تو عمر بھر کی ورق گردانی کے باوجود علمی اعتبار سے ع چہ پایہ بر دکتابے چند۔ اور حقیقت اسی کے رخ سے

ہمہ عمر با تو قدح زدیم و نرفت رنج خمار ما — چہ قیامتے کہ نمی رسی ز کنار ما بکنار ما

کا مصداق ہے۔